اقبال کی اُردو شاعری

فنی محاسن کا تحقیقی ولسانی مطالعہ

مقالہ: پی ایچ۔ڈی (اردو)

DATA ENTERED
M-L 9396

مقالہ نگار:
بصیرہ عنبرین
لیکچرار شعبہ اردو،
پنجاب یونیورسٹی، اورینٹل کالج
لاہور

نگران:
ڈاکٹر تحسین فراقی
اُستاد شعبہ اردو،
پنجاب یونیورسٹی، اورینٹل کالج
لاہور

پنجاب یونیورسٹی، اورینٹل کالج، لاہور

رنگ ہو یا خشت و سنگ، چنگ ہو یا حرف و صوت
معجزۂ فن کی ہے خونِ جگر سے نمود
قطرۂ خونِ جگر سِل کو بناتا ہے دِل
خونِ جگر سے صدا سوز و سُرور و سرود

(بالِ جبریل)

فہرست

ابتدائیہ — ز

۱۔ علمِ بیان کے محاسن اور شعرِ اقبال — ۱

فصلِ اول: تشبیہات — ۶

فصلِ دوم: استعارات — ۵۵

فصلِ سوم: مجازِ مرسل — ۹۶

فصلِ چہارم: کنایات — ۱۱۴

۲۔ علمِ بدیع کے محاسن اور شعرِ اقبال — ۱۳۶

فصلِ اول: تلمیحات — ۱۵۴

فصلِ دوم: تضمینات — ۲۳۵

فصلِ سوم: دیگر صنایع بدایع لفظی و معنوی — ۲۵۵

۳۔ شعرِ اقبال کے تمثیلی اور ڈرامائی محاسن — ۳۰۷

فصلِ اول: تمثیلیں — ۳۰۸

فصلِ دوم: ڈرامائیت — ۳۳۵

۴۔ شعرِ اقبال کے علامتی اور تمثالی محاسن ۳۹۷

فصلِ اول: علامات ۳۹۸

فصلِ دوم: تمثالیں ۴۶۱

۵۔ زبان اور آہنگ کے محاسن اور شعرِ اقبال ۴۹۹

فصلِ اول: لفظیات اور تراکیب ۵۰۰

فصلِ دوم: لہجے کے تنوعات ۵۲۵

فصلِ سوم: آہنگ ۵۵۴

کتابیات ۵۸۶

ابتدائیہ

عظیم المرتبت شاعری فکروفن کے موزوں اور متناسب امتزاج سے ترتیب پاتی ہے۔ایک بڑا شاعر جہاں موضوعاتی حوالے سے اپنی انفرادی شان کا اظہار کرتا ہے، وہاں فنی سطح پر بھی گوناگوں کرشمہ کاریوں سے اپنے شعر پاروں کو متنوع ابعاد سے نوازتا ہے۔ وہ شعر میں عرفان وحکمت کے ساتھ ساتھ بیان کے جادو کا قائل بھی ہوتا ہے۔ بیسویں صدی کے شعری منظر نامے میں علامہ محمد اقبال وہ باکمال شاعر ہیں جن کے کلام میں نادر خیالات اور بلند افکار کی نمود بڑے نادر اور رفیع اسلوب میں ہوئی ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ اقبال کی اولین حیثیت حکیم الامت کی ہے اور انھوں نے تفکر وتفلسف کے گراں قدر عناصر پر مبنی شعر پاروں سے ایک بلند پایہ اور منظم فکری نظام سے متعارف کرایا،لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اگر یہ پیغام دلکش پیرایۂ بیان میں ادا نہ ہوتا تو ہرگز اس قدر موثر نہ ہوتا____ قابل توجہ بات یہ ہے کہ شعرِ اقبال میں پیغامبری کا وصف مقدم ہونے کے ناتے ماہرینِ اقبالیات نے تنقیدی وتحقیقی سطح پر زیادہ تر علامہ کی مفکرانہ جہتوں کو موضوع بنایا اور اس سلسلے میں ان کے بے مثل اور کم عدیل شعری افکار پر متفرق مضامین،تنقیدی کتب،تحقیقی مقالات،رسالوں کے خاص نمبر،دائرۃ المعارف اور اس قبیل کی متعدد کاوشیں سامنے آئیں۔یوں فکریاتِ اقبال پر رقم کیا جانے والا تحقیقی وتنقیدی سرمایہ اپنی وسعت،تنوع اور معیار کے اعتبار سے شعریاتِ اقبال پر مرقوم مضامین وکتب پر فائق ہوتا چلا گیا۔خصوصاً اقبال کے شعری وفنی کمالات پر کلی طور پر کوئی ایسا تحقیقی مطالعہ دکھائی نہیں دیتا جسے ہم مربوط،مبسوط اور مستحسن کاوش قرار دے سکیں۔البتہ اس ضمن میں مختلف فنی پہلوؤں پر مضامین ضرور لکھے گئے جن کا غالب حصہ شعرِ اقبال کی فنی خوبیوں پر شماریاتی نوعیت کے تجزیوں پر مشتمل ہے اور ظاہر ہے کہ ان کی حیثیت محض جمع آوری سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ایسے مطالعات میں یہ جائزہ نہیں لیا گیا کہ فنی محاسن شعرِ اقبال کی تاثیر اور معنویت میں کس حد تک دخیل ہیں اور کیونکر معجز آثار خصائص پیدا کرنے کا سبب بنے ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ بعض معروف اور مستند ناقدین ومحققینِ اقبالیات کی چند استثنائی (مگر بہر حال بہت عمدہ!!) مثالوں سے قطع نظر اقبال کی شاعری کا یہ پہلو تا حال تشنہ ہے۔پیشِ نظر مقالہ:**اقبال کی اردو شاعری_ فنی محاسن کا تحقیقی و لسانی مطالعہ** اسی تشنگی کو محسوس کرتے ہوئے مرتب کیا گیا ہے اور کوشش یہ رہی ہے کہ کلاسیکی شعری مباحث کے ساتھ بعض جدید شعری محاسن کے فنی تقاضوں کو ملحوظ رکھ کر اقبال کا شعری وفنی مرتبہ متعین کیا جائے۔ زیرِ نظر اوراق اس امر کی تائید کریں گے کہ اقبال وہ

نادرِ روزگار شاعر ہیں جنھوں نے کمال درجے کی ذہانت اور مشاقیِ فن سے شعری محاسن کو مقصود بالذات سمجھنے کے بجائے ترسیلِ مطلب کا وسیلہ بنایا جس کے باعث محسنات شعری ہر جگہ پورے رچاؤ، روانی اور قادرالکلامی سے ان کے پیش کردہ معانی میں پیوست و پیوند دکھائی دیتے ہیں۔

زیرِ نظر مقالہ پانچ ابواب پر مشتمل ہے، جنھیں طوالت کے باعث ذیلی فصول میں بھی تقسیم کیا گیا ہے۔ باب اول ''علمِ بیان کے محاسن اور شعرِ اقبال'' علمِ بیان کے چاروں ارکان تشبیہ، استعارہ، مجاز مرسل اور کنایہ کے فنی معیارات، اغراض و مقاصد اور اصول و قواعد کی روشنی میں کلامِ اقبال میں متذکرہ شعری محاسن کے تجزیات پر مبنی ہے۔ یہ باب چار فصلوں میں لکھا گیا ہے جن سے ظاہر ہے کہ اقبال کے ہاں 'بیان' کی خوبیاں اس قدر روانی و برجستگی سے جزوِ کلام بنی ہیں کہ ان کی مہارتِ فن کی داد دینا پڑتی ہے۔ باب دوم ''علم بدیع کے محاسن اور شعرِ اقبال'' میں اسی طرز پر علمِ بدیع کے تحت تنقیدی مطالعات پیش کیے گئے ہیں۔ ویسے تو اقبال کی شاعری میں کم و بیش تمام محسناتِ لفظیہ و معنویہ بھرپور شعری رچاؤ اور تخلیقی حسن لیے ہوئے ہیں لیکن 'تلمیح' اور 'تضمین' کے باب میں انھوں نے جو حیرت انگیز استعداد دکھائی ہے، اس کا احاطہ کرنے کے لیے دو الگ الگ فصلوں کے تحت علامہ کی تمام تر تلمیحات و تضمینات زیرِ بحث لائی گئی ہیں جبکہ اس باب کی تیسری فصل میں اقبال کی شاعری کے دیگر لفظی و معنوی صناعانہ پہلوؤں کا مطالعہ کیا گیا ہے۔ یوں میں نے اس قدرے مفصل باب کے ذریعے قلمرو بدیع کے مختلف عناصر سے اقبال کی غیر معمولی دلچسپی کو بہ تمام و کمال ظاہر کرنے کی سعی کی ہے۔ باب سوم ''شعرِ اقبال کے تمثیلی اور ڈرامائی عناصر'' کے عنوان سے دو فصلوں میں مرقوم ہے۔ پہلی فصل تمثیل کی بنیادی تعریف اور شاعری میں مروج اس کی مختلف نوعیتوں سے بحث کرتے ہوئے اقبال کی تمام اردو تمثیلی منظومات کے رنگ ڈھنگ سے آگاہ کراتی ہے جبکہ دوسری فصل ڈرامائی شاعری کے کلیدی اجزا کے آئینے میں ان کی ڈرامائی نظموں کا جائزہ پیش کرتی ہے۔ اس طرح اس باب سے شعرِ اقبال کے تمثیلی و ڈرامائی عناصر سے متعلق بہت سے حیرت زا پہلو مترشح ہوتے ہیں۔ باب چہارم ''شعرِ اقبال کے علامتی اور تمثالی محاسن'' کے تحت رقم ہے۔ اس کی پہلی فصل میں شعری علامت کی تعریف اور خط و خال واضح کر کے علامہ کے نمائندہ علائم و رموز پر فرداً فرداً تبصرے کیے گئے ہیں اور ان کی تاریخی و تلمیحی اور جغرافیائی و مقاماتی علامتیں بھی خصوصیت کے ساتھ موضوع بنتی نظر آتی ہیں۔ دوسری فصل میں تمثال اور اس کی مختلف نوعیتوں کو سامنے رکھ کر اقبال کی تمثال کاری کے متنوع پہلو ابھارے گئے ہیں۔ یہ تمام ابعاد انھیں ایک تازہ کار شعری مصور کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ اس تحقیقی مطالعے کا آخری باب ''زبان اور آہنگ کے محاسن اور شعرِ اقبال'' کے موضوع پر تحریر ہے۔ یہ تین فصلوں یعنی 'لفظیات و تراکیب'، 'لہجے کے تنوعات' اور 'آہنگ' پر مشتمل ہے اور یہاں اس قادرالکلام شاعر کی فنی کدوکاوش کے حیرت انگیز پہلو سامنے آتے ہیں۔ اس امر کی نشاندہی ضروری ہے کہ ان پانچوں ابواب کو لکھتے ہوئے میں نے زیرِ بحث محسنۂ فنی کی ایک نئی، قدرے مکمل اور جامع تعریف متعین کرنے کی کاوش بھی کی ہے اور ایسا کرتے ہوئے متعدد اردو، فارسی، عربی اور انگریزی لغات، فرہنگیں، دائرۃ المعارف اور ادبی اصطلاحات کی کتب میرے پیشِ نظر رہی ہیں۔ مزید یہ کہ فنی محاسن کی کسوٹی پر شعرِ اقبال کو پرکھتے ہوئے یہ سعی کی گئی ہے کہ یہ اطلاق ایک جامد اور مروج سانچے کی صورت اختیار کرنے

کے بجائے تازہ، زندہ اور پرکشش عمل دکھائی دے۔ یاد رہے کہ میں نے اپنے مؤقف کی تائید کے لیے کلامِ اقبال سے شعری اسناد بھی بہم پہنچائی ہیں، جن کے صفحات نمبر اقبال کے مختلف شعری مجموعوں کے اولین حروف کے مخففات اختیار کر کے (جیسے: ب د، ب ج، ض ک، ا ح۔۔ وغیرہ) متن کے ساتھ ہی دے دیے گئے ہیں۔ یوں سمجھ لیجیے کہ یہ تفصیلی مقالہ اس حقیقت کے استنباط کی ایک اپنی سی کوشش ہے کہ شعری خوبی کوئی بھی ہو اقبال نے اسے روایتی وتقلیدی انداز میں برتنے کے بجائے فطری بے ساختگی و برجستگی، خداداد ذہانت اور اعلیٰ درجے کی تخلیقی استعداد سے اپنا کر ہر جگہ اسے ایک نیا معنوی تناظر عطا کر دیا ہے۔ یہاں یہ محض شعری وفنی محاسن نہیں بلکہ ترسیلِ مطلب کا موزوں و متناسب ذریعۂ اظہار بن گئے ہیں ___ ہر جگہ معنی افضل، ترغیبِ عمل مستحسن اور اصلاحِ احوال ہی مقدم ہے ___ تشبیہات و استعارات ہوں یا کنایہ ومجاز مرسل کے مختلف انداز، تلمیحات وتضمینات ہوں یا صنایع بدایع لفظی ومعنوی کی متنوع صورتیں، تمثیلیں اور ڈرامائی ومکالماتی خصائص ہوں یا علائم ورموز اور تمثالوں کی معجز آثار خوبیاں، منفرد اور ممیز لفظیات ہوں یا ترکیبی حسن کی کرشمہ کاریاں، لہجے کے تنوعات ہوں یا ترنم ونغمگی کے اوصاف ___ اقبال ہر جگہ ممتاز ہیں، ہر مقام پر باکمال ہیں!!!

اب جبکہ مقالے کی تسوید وترتیب کا مرحلہ طے پا چکا ہے تو میں خداوندِ علیم وخبیر کا شکر بجالاتی ہوں کہ جس نے مجھے یہ تحقیقی کام کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اس موقعے پر چند مشفق اور مہربان ہستیوں کا شکریہ بھی مجھ پر واجب ہے، جنھوں نے مختلف مراحل پر میرے ساتھ تعاون کیا۔ اس سلسلے میں سرفہرست استادِ مکرم جناب ڈاکٹر تحسین فراقی ہیں جن کی نگرانی میں مجھے دوسری بار تحقیقی مقالہ لکھنے کا موقع حاصل ہوا۔ جناب تحسین فراقی برعظیم پاک وہند کے ممتاز نقاد، محقق اور ماہرِ اقبالیات ہیں۔ پہلی مرتبہ میں نے استادِ محترم کی رہنمائی میں ۱۹۹۵ء میں **فنِ تضمین اور کلامِ اقبال** کے موضوع پر ایم۔اے (اردو) کا مقالہ تحریر کیا تھا۔ یہ مقالہ بعد ازاں ''سالِ اقبال'' کی مناسبت سے ۲۰۰۲ء میں بہت سے تحقیقی اضافوں کے ساتھ **تضمیناتِ اقبال** کے عنوان سے کتابی صورت میں شائع ہوا۔ ایم۔اے، اردو کے بعد جب میں نے ایم۔اے، فارسی کیا اور **مقایسۂ ارمغانِ حجاز بادست نویسِ آن** کے زیرِ عنوان (ڈاکٹر معین نظامی صاحب کی نگرانی میں) زبانِ فارسی میں مقالہ تحریر کیا، تب بھی ڈاکٹر تحسین فراقی صاحب نے خصوصی رہنمائی فرمائی۔ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ مجھے فراقی صاحب کی نگرانی میں پی ایچ۔ڈی کا مقالہ لکھنے کی سعادت بھی ملی۔ مقالے کی تسوید کے دوران انھوں نے مجھے گرانقدر مشورے دیے، میری محنت کو سراہا اور مشکل مراحل میں میری ہمت بندھائی۔ مقالے کی تکمیل پر میں محترم استاد کی اس مشفقانہ اور عالمانہ سرپرستی کے لیے تہِ دل سے ممنون ہوں۔ استاد الاساتذہ ڈاکٹر وحید قریشی صاحب کے لیے میرے دل میں تشکر کے جذبات ہیں کہ بعض فنی مباحث کی توضیح و تفہیم کے سلسلے میں انھوں نے خاص شفقت فرمائی۔ استادِ محترم ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی صاحب مقالے کے بارے میں مسلسل دریافت فرماتے رہے۔ ان کی پرسش مجھے ''تیز تر گامزن'' کا حوصلہ دیتی اور ''منزل ما دور نیست'' کی نوید سناتی رہی، اس شفقت کے لیے میں ان کی ممنون ہوں۔ جناب محترم ڈاکٹر محمد اسلم انصاری کی بھی شکر گزار ہوں کہ بعض دقیق شعری وفنی جہتوں پر ان کی مدلل اور عالمانہ (ٹیلی فونک)

گفتگوؤں نے میری بہت رہنمائی کی۔اساتذہ کرام کے ساتھ ساتھ یہ تحقیقی منصوبہ والدین کی مسلسل دعاؤں کا نتیجہ بھی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ میرے والد محترم (محمد رفیق مرزا صاحب) کا ایک دیرینہ خواب اور والدہ محترمہ کی دلی آرزو ہے۔ محترم انکل جناب پروفیسر حفیظ الرحمٰن خان اور محترمہ و مشفقہ آنٹی (مسز خدیجہ حفیظ الرحمٰن) کا شکریہ بھی ادا کرنا چاہوں گی کہ جن کی دعائیں اور نیک تمنائیں میرے شریکِ حال رہیں۔ میری پیاری بیٹی ایمن رحمٰن اور ننھی منی امیمہ رحمٰن بھی اپنی معصوم اداؤں کے ساتھ اس سفر میں شامل رہیں۔ ہمسر عزیز وحید الرحمٰن خان نے مقالے کے آغاز سے اختتام تک جس بے مثال تعاون کا اظہار کیا، اس کے لیے میں سپاس گزار ہوں۔ آخر میں اورینٹل کالج لاہور اور اقبال اکادمی پاکستان کے کتب خانوں کے عملے کا خصوصی شکریہ بھی مجھ پر واجب ہے۔

امید ہے کہ اقبال کے فن پر لکھے جانے والے میرے اس تنقیدی و تحقیقی مقالے کو پسند کیا جائے گا کہ اس کے پس منظر میں میرے ''دنوں کی تپش'' اور ''شبوں کا گداز'' شامل ہے!!

۱۴ اگست ۲۰۰۶ء

بصیرہ عنبرین
لیکچرار شعبہ اردو،
پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج،
لاہور

باب اول:

علم بیان کے محاسن اور شعرِ اقبالؔ

فصل اوّل: تشبیہات

فصل دوم: استعارات

فصل سوم: مجاز مرسل

فصل چہارم: کنایات

۱۔ علم بیان کے محاسن اور شعرِ اقبالؔ

انسان ازل ہی سے افہام و تفہیم یا اظہار و ابلاغ کی کاوشیں کرتا رہا ہے۔ خصوصاً شعریات میں ترسیل مطلب کی بڑی اہمیت ہے اور اس ضمن میں شعرا اپنے مطمحِ نظر کو حقیقی کے بجائے مجازی معنوں میں قاری یا سامع کے دل میں اتارنے کی ہر ممکن سعی کرتے نظر آتے ہیں۔ علوم شعری میں چونکہ علمِ بیان وہ علم ہے جو حقیقی کے ساتھ ساتھ الفاظ کے مجازی معانی سے بھی بحث کرتا ہے لہٰذا شعرا نے اکثر و بیشتر اس کی وساطت سے ابلاغ شعری کا فریضہ انجام دیا ہے۔ بیان کی خوبیوں کا وسیلہ اختیار کرنا اس لحاظ سے بڑا موثر ہے کہ اس علم کی غرض و غایت ہی ترسیل مطلب میں رعنائی و لطافت کے عناصر اُجاگر کرنا ہے۔ محققینِ بیان نے اس کے بنیادی اجزائے ترکیبی تشبیہ، استعارہ، کنایہ اور مجاز مرسل قرار دیے ہیں جن کے استمداد سے تخلیق کار اپنے کلام کی زینت و زیبائش بڑھانے کے ساتھ ساتھ اس کے معنوی ابعاد کو بھی بلاغت و ایجاز سے ہمکنار کر دیتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ علم بیان، خیال کی مختلف پیرایوں میں ادائی کا بڑا موثر اور کارگر ذریعہ ہے۔ یہ ایک اعتبار سے کلامِ بلیغ کی جان اور شاعر کی قادر الکلامی کی دلیل بھی ہے۔ علم بیان کی خوبیاں شعر پارے کی جدت و جودت میں اضافہ کر کے کلام کو منفرد بناتی ہیں، اس لیے شعری عمل بڑی حد تک ان کا رہینِ منت بھی ہے۔ علم بیان کی معراج یہ ہے کہ اس کی وساطت سے کلام میں ترفع، فکر و فن کی یکتائی، فصاحت و بلاغت، بلند آہنگی، ایجاز، رنگینی و شگفتگی، حسن و عذوبت، زور و دلالت اور پر مغزیت کے عناصر پیدا ہو سکیں جبکہ اس علم کے غیر موثر، ناپختہ اور بھونڈے استعمال سے شعر پارہ محض تصنع، ٹیپ ٹاپ، لفظی بازیگری، غلو اور اعتدال سے انحراف کا مرقع بن کر رہ جاتا ہے۔ جس کے باعث شاعری کسی طور بھی ذہن و قلب میں انبساط و حظ یا انتعاش و اہتزاز کے جذبات پیدا نہیں کر سکتی بلکہ کلام دل پذیر، سجل اور سریع الفہم بننے کے بجائے بے مزا اور بے سُرا ہو کر رہ جاتا ہے۔

'بیان' کے لغوی معنی ''پیدا و ظاہر'' یا ''واضح و آشکار'' کے ہیں (۱) حییم نے فرہنگِ جامع (فارسی۔انگلیسی) میں اسے "Exposition" (پیدا و ظاہر)، "Explanation" (تشریح)، "Explanatory Statement" (بیان تشریحی) اور "Declaration" (اعلانیہ یا ظاہر گفتن) کے معنوں میں مستعار لے کر انگریزی میں علم بیان کو "Rhetoric" کے ہم معنی قرار دیا ہے۔ (۲) اور اسے بیک وقت معانی، بیان اور بدیع اور فصاحت سے بھی منسلک گردانا ہے۔ وہ "Rhetoric" میں علم معانی، بیان اور بدیع تینوں کو شامل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

Rhetoric: علم معانی و بیان...... 'Rhetroical': معانی، بیانی، بدیعی۔ فصیح مبنی بر الفاظی مصنوعی......(۳)

اصطلاحاً علمِ بیان سے مراد وہ علم ہے جو ایک مضمون کو کئی طریقوں سے ادا کرنے کے ڈھب سکھاتا ہے اور اس کی مدد سے کسی بات یا خیال کو مختلف پیرایوں میں یوں ادا کیا جاتا ہے کہ ترسیل مطلب، ایجاز و جدت اور تاثیر و لطف کے عناصر کا بیک وقت حصول ممکن ہو سکے۔ علمِ بیان کے دائرۂ کار کی توضیح کے سلسلے میں ممتاز محققین بلاغت، شمس الدین فقیر، دیبی پرشاد سحر بدایونی، نجم الغنی رامپوری، سجاد مرزا بیگ اور جلال الدین احمد جعفری زینبی کے ذیل کے اقتباسات لائق مطالعہ ہیں:

علم بیان چند قاعدوں کا نام ہے کہ ان کو اگر ایسی طرح سے یاد کریں کہ وہ سب ذہن میں حاضر رہیں تو ایک معنی کو کئی طریق سے ادا کر سکتے ہیں اور وہ طریق مختلف ہوتے ہیں۔ بعض ان میں سے اس معنی پر اس طرح سے دلالت کرتے ہیں کہ اس سے وہ معنی صاف سمجھے جاتے ہیں اور بعض سے وہ معنی صاف صاف اور واضح نہیں سمجھے جاتے بلکہ بعد فکر اور تأمل کے سمجھ میں آتے ہیں..........(۴)

علم بیان وہ ہے کہ جس کو مستحضر رکھنے سے ایک معنی کو کئی طریق سے لکھ سکیں کہ ان میں سے کوئی طریق معنی مطلوب پر دلالت واضح رکھتا ہو اور کوئی واضح تر...... جب کوئی لفظ معنی موضوع لہ کے واسطے استعمال کیا جائے، اس کو حقیقت کہتے ہیں اور اگر معنی غیر حقیقی کے واسطے استعمال کریں، اس کو مجاز، مگر اس صورت میں معنی حقیقی اور مجازی میں کچھ علاقہ ضرور ہوگا اور مجاز میں جبکہ موضوع لہ متروک ہوں، پس اگر وہ علاقہ تشبیہ کا ہے اس کو استعارہ اور اگر اور کچھ علاقہ مثل لزوم و سببیت وغیرہ کا ہو، اس کو مجاز مرسل کہتے ہیں اور اگر معنی موضوع لہ کا بھی ارادہ جائز ہے، اس کو کنایہ کہتے ہیں...... پس چونکہ استعارہ منحصر ہے اور اک ماہیتِ تشبیہ پر لہٰذا مدار علم بیان کا چار چیز پر ہے، تشبیہ، استعارہ، مجاز مرسل اور کنایہ......(۵)

علم بیان ایسے قاعدوں کا نام ہے کہ اگر کوئی ان کو جانے اور یاد رکھے تو ایک معنی کو کئی طریق سے عبارات مختلفہ میں ادا کر سکتا ہے۔ جن میں سے بعض طریق کی دلالت معنی پر بعض طریق سے زیادہ واضح ہوتی ہے۔ پس اگر کوئی شخص بعض معانی ایسے مختلف طریقوں میں ادا کرے کہ ان میں وضوح دلالت کا اختلاف نہ ہو بلکہ صرف الفاظ کا اختلاف ہو اس طرح کہ الفاظ مترادف میں معنی کو ادا کرے......(۶)

یہ ایک صورت مجاز کی ہے یعنی الفاظ کا اپنے حقیقی معنوں میں مستعمل نہ ہونا...... ظاہر ہے کہ جب الفاظ غیر وضعی معنوں میں استعمال ہوں تو یہ ممکن ہے کہ ایک کلام بہ نسبت دوسرے کے زیادہ واضح یا زیادہ دقیق ہو...... وہ علم جو ایسے اصول و قواعد بیان کرتا ہے جن کے ذریعے سے ایک مطلب مختلف عبارتوں میں اس طرح ادا کر سکیں کہ ایک کے معنی بہ نسبت دوسرے کے زیادہ یا کم واضح ہوں، علم بیان کہلاتا ہے......(۷)

علم بیان، ان چند قاعدوں کا جاننا ہے کہ اگر وہ سب ذہن میں حاضر رہیں تو ایک معنی کو کئی طریقے سے ادا کر سکیں۔ وہ طریقے معنی پر دلالت

کرنے میں بعض تو واضح ہوتے ہیں اور بعض اوضح...... دلالت کسی چیز کا اس طرح پر ہونا (ہے) کہ اس کے جاننے سے کسی دوسری چیز کا جاننا لازم آئے۔ دلالت کرنے والے کو دال اور جس پر وہ دلالت کرتا ہے، اس کو مدلول کہتے ہیں...... دلالت کی تین قسمیں ہیں: وضعی، تضمنی، التزامی۔ (۱) دلالت وضعی: لفظ اپنے معنی موضوع لہ کے پورے معنی پر دلالت کرے جیسے انسان کی دلالت حیوان ناطق پر۔ (۲) دلالت تضمنی: لفظ اپنے موضوع لہ کے جزو معنی پر دلالت کرے، جیسے انسان کی دلالت صرف حیوان پر۔ (۳) دلالت التزامی: لفظ اپنے موضوع لہ کے خارج از حقیقت معنی پر جو معنی موضوع لہ کے لوازم سے ہو دلالت کرے، جیسے انسان کی دلالت ضاحک پر...... (۸)

گویا علم بیان مجاز کی وہ صورت ہے جو چند ایسے اصول و قواعد پر مبنی ہے جن کو متحضر رکھنے سے ایک ہی معنی کو متنوع طریق سے بیان کیا جا سکتا ہے۔ ان مختلف طریقوں میں سے بعض معنی پر دلالت کرنے میں واضح ہوتے ہیں اور بعض غیر واضح۔ علم بیان کا مدار چار عناصر تشبیہ، استعارہ، کنایہ اور مجاز مرسل پر ہے اور یہ علم ان چاروں صورتوں سے اس طرح بحث کرتا ہے کہ ان کی مدد سے کلام میں ابلاغ تام کی نشاندہی ہو سکے۔ اس علم کے متذکرہ مباحث روز مرہ گفتگو کا حصہ ہونے کے باعث بڑی لطافت اور نفاست سے شعری زبان میں شامل ہو جاتے ہیں اور شاعر ان کی وساطت سے اپنے مطمح نظر کی ترسیل نہایت مؤثر طور پر کر پاتا ہے۔ یاد رہے کہ بعض محققین فن نے جدید معنوں میں علم بیان کے اس متعین دایرے کو وسعت دے کر چند تازہ مباحث مثلاً تمثیل (Allegory)، سمبل (Symbol) یا نماد، اسطورہ (Myth)، الگویا آرکی ٹائپ (Archetype)، حسآمیزی (Synaesthesia)، پیراڈوکس (Parodox)، تشخیص (Personification) اور تجرید (Abstraction) کو بھی اس کے اجزا شمار کیا ہے۔ (۹) تاہم کلاسیکی پیمانے کے تحت علم بیان کے ترکیبی عناصر تشبیہ، استعارہ، کنایہ اور مجاز مرسل ہی سمجھے جاتے ہیں اور خصوصی طور پر مشرقی شعریات میں انھی پر علم بیان کی دلکش عمارت استوار ہے۔

علامہ اقبالؔ نے اپنی شعری اقلیم کو علم بیان کے برمحل استعمال سے جدت اور رعنائی بخشی ہے۔ ان کے ہاں علم شعری سے شغف اور پسندیدگی کا رجحان ابتدا ہی سے ملتا ہے جس کے باعث وہ اپنے کلام میں فطری بے ساختگی اور فنی کرشمہ کاریوں کا دلکش امتزاج پیش کرتے ہیں۔ انھوں نے بیان کی چاروں صورتوں تشبیہ، استعارہ، مجاز مرسل اور کنایہ کو مؤثر طور پر برتا ہے۔ اس سلسلے میں تشبیہات اقبالؔ کا دایرہ تو بے حد وسیع ہے جو متنوع ابعاد کی حامل ہیں اور علامہ کے مخصوص نظریات و تصورات کی پیش کش میں ممد و معاون ثابت ہوتی ہیں۔ خصوصاً تشبیہ تمثیل میں تو ان کی تشبیہی جادو کاری دیدنی ہے۔ اقبالؔ کے استعارے بھی شعری عروج کو چھوتے ہیں اور اس حوالے سے وہ پیچیدگی و ابہام سے اجتناب کرتے ہیں اور ترسیل مطلب کے ارفع مقصد کے پیش نظر ''استعارہ در استعارہ'' سے ہر ممکن گریز کر کے شعریت کو برقرار رکھتے ہیں۔ اس محسنۂ شعری کا تلمیحی و اساطیری اور علامتی رنگ استعارات اقبالؔ کا اختصاصی پہلو ہے جس کی وساطت سے انھوں نے بے مثال ندرت اور معنویت کا حصول کیا ہے۔ اسی طرح مجاز مرسل کی تمام تر صورتیں شعر اقبالؔ میں بھرپور طور پر نمود کرتی ہیں اور کمال یہ ہے کہ کہیں بھی شعوری کاوش یا تصنع کا شائبہ نہیں ہوتا۔ بعینہٖ علم بیان کی چوتھی صورت کنایہ کے اعتبار سے بھی اقبالؔ کا کلام ممتاز ہے اور ان کے زیادہ تر

کنائے بڑی عمدگی سے فرد اور ملت کے مسائل کی گرہ کشائی کرتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ کنائے کی مختلف انواع بھی اقبالؔ کی خلاّقانہ صلاحیت کے باعث جس مشاقی سے شعری پیکر میں ڈھلی ہیں، وہ یقیناً لائق تحسین ہے۔ بات یہ ہے کہ علم بیان کی متذکرہ چاروں اشکال شعرِ اقبالؔ کی رمزیت و معنویت میں اضافہ کرتی ہیں اور ان کے ذریعے انھوں نے تازہ اور نو بہ نو الفاظ و تراکیب اور نئے شعری قرینوں سے دامنِ شعر کو وسعت دی ہے۔ انھوں نے ان لوازمات فنی کو کلام کی شان و شکوہ، بلند آہنگی اور تاثریت و دلپذیری کے حصول کا وسیلہ بھی بنایا ہے۔ انھی گوناگوں پہلوؤں کے باعث اقبالؔ، بیان سے متعلق فنی محاسن کو برتنے میں اپنے پیشروؤں اور معاصرین پر برتری رکھتے ہیں اور اس قبیل کی نادرہ کاری سے مروّج اسالیب شعری میں ان کے منفرد اور ممتاز مقام کی نشاندہی بھرپور طور پر ہو جاتی ہے۔ آیندہ اوراق میں شعر اقبالؔ میں علم بیان کے مؤثر استعمال سے پیدا ہونے والے منفرد اور مجتہدانہ پہلوؤں کا مفصل مطالعہ پیش کیا جاتا ہے:

فصل اوّل:

تشبیہات

لفظ ''تشبیہ'' بروزن تفعیل عربی زبان کے لفظ ''شبہ'' سے مشتق ہے جسے باہمی مشابہت (۱۰)، مماثلت (۱۱)، تشابہ (۱۲)، تمثیل، یکسانی و مانندگی (۱۳)، کنایہ و استعارہ (۱۴)، شاعرانہ یا تخیلی تقابل (۱۵)، مشابہ اور ہم شکل کرنا (۱۶)، مثال دینا (۱۷)، مانند کردن (۱۸)، چیزی را بہ چیز دیگر مانند کردن (۱۹)، مانند کردن چیز یست بچیز دیگر در صفتی (۲۰)، شبیہ کردن (۲۱)، کشف یا نشان دادن شباھت دو کس، دو چیز یا دو امر متفاوت (۲۲) الشیٔ بالشیٔ مِثلَہ، اور الحاق أمر بأمر لصفۃ مشترکۃ بینھما (۲۳) کے معنوں میں مراد لیا جاتا ہے۔ انگریزی میں بھی تشبیہ کو زیادہ تر ان سے ملتے جلتے ذیل کے لغوی مطالب سے تعبیر کیا گیا ہے:

To compare (24), to Assimilate; allegory (25), comparison (26), likening, Parrallel, to like, to draw between two things (27), causing to resemble; making like similitude, simile, metaphor (28), A likeness (29), the Figure (30), Image (31)

جبکہ اصطلاحاً اس سے مراد ''ایک صفتِ کلام (ہے) جس میں دو باہم مختلف چیزوں میں مماثلت یا موازنے کے لیے Like یا as کا استعمال کیا جاتا ہے۔'' (۳۲) گویا تشبیہ ''اصطلاحِ معانی میں ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ کسی صفت میں مشابہ کرنے کو کہتے ہیں۔ اس میں وجہ شبہ ظاہر ہو یا نہ ہو۔ جسے تشبیہ دیں اسے مشبہ اور جس سے تشبیہ دیں اسے مشبہ بہ کہتے ہیں۔ مشبہ اور مشبہ بہ کو طرفینِ تشبیہ، اُس صفت کو وجہ شبہ اور جو اس پر دلالت کرے اسے حرف تشبیہ کہتے ہیں۔'' (۳۳) توضیح کے لیے اوّلاً معروف محققین فن کے زبانِ فارسی میں چند اقتباسات ملاحظہ کیجیے۔ جن سے تشبیہ کے اصطلاحی مفاہیم تمام تر اجزا کے ساتھ بخوبی متبادر ہوتے ہیں:

چیزی بہ چیزی مانندہ کردن است و در این باب از معنی مشترک میان مشبہ و مشبہ بہ چارہ نبود و چون چند معانی بہ یکدیگر افتد و تشبیہ ھمہ را شامل شود پسندیدہ تر بود و تشبیہ کامل تر بود۔ و بہترین تشبیہات آن بود کہ معکوس توان کرد یعنی مشبہ و مشبہ بہ را بہ یک دیگر تشبیہ توان کرد۔۔۔ و ناقص ترین تشبیہات آن است کہ وھمی بود و آن را در خارج مثال تصور نتوان کرد۔۔۔ (۳۴)

این صنعت چنان بود کہ دبیر یا شاعر چیزی بچیزی مانندہ کند در صفتی از صفات و اہل لغت آن چیز را کہ مانندہ کنند مشبہ خوانند و آنرا کہ بذو مانندہ کنند مشبہ بہ و در صنعت تشبیہ نیکوتر و پسندیدہ تر آن باشد کہ اگر عکس کردہ شود و مشبہ بہ بہ مشبہ مانند کردہ آید سخن درست بود و معنی راست۔۔۔ (۳۵)